مسز مسرت عابدہ سید قلب عابد

خواتین کا کردار

(تیسری اور آخری قسط)

آیئے ذرا اسلام نے زندگی کے مختلف معاملات میں عورت کو جو حقوق اور درجہ دیا ہے، اس پر ایک نظر ڈالیں جس سے یہ بات مزید واضح ہوگی کہ اسلام مساوات کا قائل ہے۔

اسلام سے پہلے عرب میں میراث صرف دو طریقوں سے تقسیم ہوتی تھی۔ نسب یا عہد۔ نسب میں بھی ضروری نہ تھا کہ سب کو ملے۔ عورتیں اور چھوٹے بچے محروم رہتے تھے۔ عہد یہ تھا کہ مرنے والا کسی کو متبنیٰ کر دیتا تھا۔ اس صورت میں کسی کو ترکہ نہ ملتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم میراث کو "نصف العلم"[1] اس لیے کہا کہ اس کو جان کر ہی اسلام کے مطابق اس اہم شریعت پر عمل ہو سکتا تھا جس کے تحت جائداد کی تقسیم یا وراثت کے اصول مرتب ہوتے ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو مال و دولت کے حصول اور جائداد کی ملکیت و وراثت کا ایسا ہی حق دیا جیسا مردوں کو حاصل تھا[2]۔ قرآن نے کہا کہ:

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے داروں نے چھوڑا خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے"[3]

ایک اور جگہ قرآن کہتا ہے کہ:

---

[1] "اسلام اور عورت" بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۰

[2] "اسلام کی بنیادی حقیقتیں" بحوالہ سابقہ، ص ۱۰۶

[3] النساء : ۷

"تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر (میت کے وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے، اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی مالک ہوگی ـــــ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے۔ اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف ہے"[۵۴]

بعض ناقدین جلد بازی سے کام لیتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں عورت کو برابری نہیں دی گئی۔ اس کو مرد سے نصف حصہ دیا گیا ہے، حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو دولت کی یہ ایک بالکل فطری تقسیم ہے۔ عورت کو باپ اور شوہر، دونوں کی جائدادوں سے حصہ دیا جا رہا ہے، پھر معاشی اعتبار سے اسلام اس پر کوئی ذمے داری عائد نہیں کرتا۔ اس کے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے کی تمام تر ذمے داریاں اس کے باپ بھائیوں یا شوہر کے سر ہیں، جو اس کی جائداد سے اس کے ورثے سے کچھ معاشی فوائد حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس طرح جو بظاہر عدم مساوات نظر آتی ہے وہ دراصل مساوات ہی ہے۔ جہیز اور مہر کی صورت میں جو مال عورت کو ملتا ہے وہ بھی اس عدم مساوات کو دور کرتا ہے۔ پھر قرآن صاف طور پر تصریح کرتا ہے کہ عورتیں جو مال حاصل کریں وہ اُن کا ہے[۵۵]

شادی انسانی زندگی کا ایک اہم باب ہے، اس ضمن میں اسلام واضح اور صاف الفاظ میں عورتوں کو رائے استعمال کرنے کا حق دیتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے کہ "عورتوں کو اپنے شوہروں سے نکاح سے نہ روکو"[۵۶] اس آیت سے ظاہر ہے کہ شادی کے معاملے میں عورت کو آزادی دی گئی جیسی کہ مردوں کو دی گئی[۵۷] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث ایسی ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس مسئلے کو

---

۵۴ النساء : ۱۱

۵۵ "وللنساء نصیب مما اکتسبن"۔ "اسلام کی بنیادی حقیقتیں"۔ بحوالہ سابقہ، ص ۱۰۶

۵۶ القرآن ۲ : ۲۳۲

۵۷ "جو عورتیں تمھیں پسند آئیں، ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو" (النساء : ۳، ۴)

کتنا اہم سمجھتے تھے۔ مثلاً حضرت خنسا بنت خذام انصاریہ بیوہ ہوگئیں تو ان کے والد نے کسی شخص سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت خنسا اس نکاح سے ناخوش تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ آپ نے نکاح کو مسترد کر دیا[۵] اسی طرح طلاق کے معاملے میں بھی مرد اور عورت کا پلہ برابر رکھا۔ مرد اگر عورت کو طلاق دے سکتا ہے تو عورت اس سے خلع حاصل کر سکتی ہے (گو کہ یہ دونوں عمل حلال ہونے کے باوجود ناپسندیدہ ہیں اور انتہائی مجبوری میں استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے)[۶]

شادی کے ضمن میں اسلام نے عورت کو جتنے حقوق دیے، کسی مذہب نے نہیں دیے۔ اسلام واضح الفاظ میں میاں بیوی کے تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔ عورت کو تاکید ہے کہ شوہر کا گھر سنبھالے۔ مرد کو حکم ہے کہ وہ اسے کسی طرح کی تکلیف نہ دے۔ آیت قرآنی ہے "اور بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔" اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں اپنی بیوی پسند نہیں ہے تو ضروری نہیں وہ بری ہو۔ مثلاً اگر تمھیں وہ اس لیے بری لگتی ہے کہ وہ خوب صورت نہیں ہے تو ہو سکتا ہے، اس کی سیرت اچھی ہو، گویا اسلام طلاق کا حق دینے کے باوجود چاہتا ہے کہ جلدی سے یا کسی فوری جذبے کے تحت اس حق کو استعمال نہ کیا جائے[۷] اسلام سے پہلے عورت کی کوئی حرمت نہ تھی۔ قرآن نے اس ضمن میں واضح احکام دیے۔

"اور جن عورتوں سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں، ان سے ہرگز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ دراصل یہ بے حیائی کا فعل ہے، ناپسندیدہ ہے اور برا چلن ہے۔"[۸]

اسی طرح ایک اور جگہ کہا "تم پر حرام کی گئیں تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں،

---

۵ صحیح بخاری کتاب النکاح، بحوالہ "تاریخ اسلام والمسلمین" ص ۸۹۷

۶ "جس عورت نے اپنے شوہر سے بلا ضرورت طلاق یا خلع کا مطالبہ کیا، اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔" ترمذی شریف ج ۱ باب الطلاق، بحوالہ ندوی، ص ۱۳۳

۷ النساء : ۱۹ ۸ تفہیم القرآن، ج ۲ - لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۵۹۷

۸ النساء : ۲۲

بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا، اور تم پر حرام کیا گیا کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔[۱۳]

ان آیات سے رشتوں کا احترام پیدا کرنا مقصود ہے۔ عورتوں کو معاشرے میں ان حیثیتوں سے باعزت کرنا مقصود تھا۔ اسی طرح عورتوں کو مہر کا حق بھی اسلام نے دیا "پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے مہر بطور فرض کے ادا کرو۔"[۱۴] قرآن نے مہر کو عورت کا ایک ایسا حق قرار دیا جس کی ادائیگی شوہر پر لازم ہے۔ اسلامی ریاست میں یہ اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی قانون سازی کے ذریعے عورت کے اس حق کو ساقط یا محدود کر دے۔ حضرت عمرؓ نے جب اپنے دورِ خلافت میں عورتوں کے حق مہر پر پابندی لگا کر اسے محدود کرنا چاہا اور دورانِ خطبہ فرمایا "عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ چاندی سے نہ بڑھاؤ، اگرچہ وہ کتنے ہی مال دار کی بیٹی کیوں نہ ہو، جو زیادہ مہر دے گا، میں اس کے زیادہ مال کو بیت المال میں داخل کروں گا، تو عورتوں کی صف میں سے ایک عورت اٹھی اور بلند آواز سے کہا، آپ کو یہ حق نہیں، پوچھا کیسے؟ بولی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "خواہ تم نے اسے ڈھیر مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے؟"[۱۵] حضرت عمرؓ نے کہا "عورت نے سچ کہا اور مرد نے غلطی کی"[۱۶] اس کے ساتھ ہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ آپ قانون کے ذریعے جس حق کو محدود کرنا چاہتے تھے، قرآن کا حکم سامنے آتے ہی رک گئے۔[۱۷] گویا مہر ادا کرنا فرائض میں شمار کیا گیا۔ قرآن میں تاکید کی گئی ہے کہ "عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔"[۱۸] خوش دلی کے ساتھ مہر ادا کرنے کے فرض کی تاکید ایک دوسری آیت میں یہاں تک کی گئی ہے کہ "اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو لیکن مہر مقرر ہو چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہو گا۔"[۱۹] ہاتھ لگانے سے قبل طلاق کی صورت میں اگر مہر مقرر نہ بھی ہوا ہو تو بھی قرآن کہتا ہے کہ ہر آدمی کو اپنی استعداد

---

[۱۳] النساء : ۲۳ [۱۴] النساء ، ۲۴ [۱۵] النساء : ۲۰

[۱۶] عمر بن خطاب۔ مترجم عبدالصمد صارم، لاہور ۱۹۵۶ء، ص ۲۹۰

[۱۷] اسلام الدین "بنیادی حقوق" لاہور ۱۹۷۸ء۔ طبع دوم، ص ۴۰

[۱۸] النساء : ۴ [۱۹] البقرہ : ۲۳۷

کے مطابق ان عورتوں کو گھر سے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے[20] البتہ اگر عورت، مرد کو پورا مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دے تو قرآن اس صورت میں مرد کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اسے ادا نہ کرے[21] حضرت عمر اور قاضی شریح اس آیت کے بارے میں عورت کو آخری فیصلے کا اختیار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر کو پورا مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دیا ہو اور بعد میں وہ پھر اس کا مطالبہ کرے تو شوہر کو ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ اس کے مطالبے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر یا اس کا کوئی حصہ چھوڑنا نہیں چاہتی[22] مہر کی ادائیگی کی تاکید کے ساتھ ہی قرآن مردوں پر زور دیتا ہے کہ وہ جو مال اپنی بیویوں کو دے چکے ہیں علیحدگی کی صورت میں واپس نہ مانگیں[23] اول تو یہ اخلاقاً معیوب ہے کہ آپ نے ایک دفعہ کسی کو کوئی تحفہ دیا اور اس سے لڑائی ہوئی تو وہ اسے واپس مانگنے لگے۔ دوسری دلیل قرآن خود دیتا ہے کہ " آخر تم اسے کس طرح لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو جاتے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں[24]

اسلام کے بعض ناقدین عورتوں کو اس کی طرف سے اس فیاضی سے دیے گئے حقوق کی اہمیت یہ کہہ کر کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نے چار شادیوں کی اجازت دے کر عورت پر بڑا ظلم کیا ہے، کیوں کہ انھیں معلوم ہے کہ " سوکن عورت کی کمزوری ہے اور جو شخص اس کے خلاف احتجاج کرے گا عورت اسے اپنا حقیقی خیر خواہ اور سچا ہمدرد سمجھے گی[25] جس قرآنی آیت کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے " جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو، لیکن اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو"[26]

بے شک اسلام نے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے، لیکن پابندیوں کے ساتھ سب

---

۲۰ البقرہ : ۲۳۶ — ۲۱ النساء : ۴

۲۲ تفہیم القرآن، بحوالہ سابقہ، ۳۲۲

۲۳ النساء : ۲۱ — ۲۴ النساء : ۲۱

۲۵ مولانا محمد تقی عثمانی "ہمارے عائلی مسائل"۔ کراچی، سن ندارد، ص ۱۴۷

۲۶ النساء : ۳

سے بڑی پابندی تو خود اس آیت ہی میں موجود ہے کہ عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اسلام جس عدل کا مطالبہ کرتا ہے، وہ برتاؤ کا عدل ہے۔ ملبوسات، زیورات، کھانے پینے کا خرچ، سامانِ آرائش گھر کی ضروریات، حسنِ کلام، حسنِ سلوک، ان تمام چیزوں میں عدل ہونا چاہیے[۲۷]۔ ایسے عدل کی توقع ایک انسان سے ناممکن تو نہیں، لیکن بے حد مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ آیتِ قرآنی ہے کہ "بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے، تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔"[۲۸]

گویا قرآن کا مطلب یہ ہے کہ عدلِ کامل نہایت دشوار ہے۔ ایک انصاف پسند شخص مال کی تقسیم میں عدل کر سکتا ہے لیکن روابطِ قلبی میں مساوات انسانی اختیار سے باہر ہے[۲۹]۔ لہٰذا "تم ایک طرف اتنے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو"[۳۰] کہہ کر دراصل معاملے کی نزاکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلام میں چار بیویوں کی اجازت کی آیت کی تفسیر اس انداز میں بھی کی جاتی ہے کہ دراصل یہ بیویوں کی تعداد پر پابندی عائد کی گئی ہے اور چار سے زائد بیویاں رکھنے سے منع کیا گیا ہے[۳۱]۔ کیونکہ اس زمانے کے حالات بتاتے ہیں کہ مرد جتنی چاہتے شادیاں کر لیتے، پھر ان کے ساتھ ظلم و جور سے پیش آتے۔ ان عورتوں کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ عورتوں کے معاملے میں ان کے ذہن عدل و انصاف سے خالی تھے۔ اس آیت نے عورتوں کو قانون مہیا کیا جو غالباً تاریخ میں اس سے پہلے موجود نہیں تھا[۳۲]۔ قرآن نے نہ صرف اس پر "چار" کا عدد آخری مقرر کیا بلکہ عدل کی شرط سے مشروط کر کے

۲۷۔ مولانا رئیس احمد جعفری "اسلام اور عدل و احسان" ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۶۷، ص ۲۲۰

۲۸۔ النساء : ۱۳۲

۲۹۔ مقالاتِ حکیم ج اول "اسلامیات"۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے مضامین کا مجموعہ مرتبہ شاہد حسین رزاقی، لاہور ۱۹۶۹، ص ۸۵

۳۰۔ النساء : ۱۳۲

۳۱۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی "تفہیم القرآن" ج ۲، لاہور، ص ۳

۳۲۔ پروفیسر شوکت [illegible]، بحوالۂ سابقہ، ص ۱۲

ورتوں کو مزید تحفظ مہیا کیا۔ تعدد ازدواج بذاتِ خود کوئی بری چیز نہیں ہے کیوں کہ بعض حالات میں یہ
ملی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے، چنانچہ اسی لیے مخصوص اور مستثنیٰ حالات کے لیے گنجائش چھوڑ دی گئی ہے،
اسلام کے قوانین میں لچک نہ ہوتی تو وہ مختلف زمانوں، مختلف حالات اور مختلف مزاجوں کی اقوام
جاوی نہ ہو سکتا تھا۔ افراد کی زندگی میں ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ ان کی مشکل کو نکاحِ ثانی ہی حل
سکے[33]۔ یتیموں، بیواؤں کو پناہ میں لینا ہو، ملت کی تعداد بڑھانی مقصود ہو۔ پہلی بیوی سے اولاد نہ ہو
ر اولاد کی خواہش ہو۔ معاشرے کو اخلاقی برائیوں سے بچانا ہو تو دوسری شادی کی اجازت ہے۔
ہاں یہ ضرور مدنظر ہے کہ اسلام صرف انھیں افراد کو شادی کی اجازت دیتا ہے، جو وسائل رکھتے
ہیں۔ "اور چاہیے کہ وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے، پرہیزگار رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے
فضل سے انھیں توانگر کر دے[34]۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب ایک شادی کرنے کے لیے توانگر ہونا
ضرور قرار دیا جا رہا ہے تو ایک سے زائد یا چار کے لیے بھی یقیناً اتنا توانگر ہونا لازمی ہوگا کہ چاروں بیویوں
کی ضروریات یکساں طریقے سے پوری کی جائیں۔ ایسا ممکن ہے کہ بعض خواتین یہ صورت حال قبول
نہ کریں، چنانچہ اسلام انھیں مزاج نہ ملنے کی صورت میں شوہر سے علیحدگی کی اجازت دے کر ان پر
زبردستی کوئی بات نہیں ٹھونستا۔ ایک عادل شوہر جس کو بیوی کے حقوق کا خیال ہو وہ کبھی بھی بیوی کی
کسی جائز خواہش کے خلاف کام نہیں کرے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو لوگ تعدد ازدواج کے جواز میں تو پیش کر دیتے ہیں
لیکن اسوۂ حسنہ کے اس قابلِ توصیف و تقلید پہلو کو نہیں دیکھتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل
عملی زندگی فقط ایک نیک، محسنِ اسلام اور قدر شناس بیوی کے ساتھ بسر ہوئی جو عمر میں شوہر سے قریباً
پندرہ سال بڑی تھیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر وہ رسول کریم کی وفات تک زندہ رہتیں تو رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم بہ معاشرتی اور سیاسی ضرورتوں کے باوجود اس زوجہ پر قناعت کرتے[35]۔ آنحضرت کو

---

[33] مقالاتِ حکیم، بحوالہ سابقہ، ص ۱۹۲-۱۹۳

[34] القرآن ۲۴ : ۳۳

[35] مقالاتِ حکیم، بحوالہ سابقہ، ص ۱۸۸

حضرت خدیجہؓ سے اتنا تعلق خاطر تھا کہ ان کی وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آتا، آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے خدیجہ پر رشک آجایا کرتا[۳۶]

وفات کے وقت رسول کریمؐ کی نو بیویاں تھیں، ان نکاحوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان میں کوئی بھی خواہش نفس کی شادی نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کے علاوہ آپ کی ساری ازدواج بیوہ تھیں یا دوسری بار عقد کر رہی تھیں۔

پھر آپ رسول کریمؐ کے ان بیویوں کے ساتھ سلوک پر نظر ڈالیے۔ آپ اپنی تمام بیویوں کے ہاں عصر کے بعد جایا کرتے تھے، ہر ایک کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے[۳۷] آپ باری باری ہر بیوی کے یہاں رہتے تھے[۳۸]، اگر بیویوں میں تیز کلامی ہو جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے سنتے رہتے۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو بیوی سے نہایت، نرم اور اچھا سلوک کرنے کی بار بار تلقین کی[۳۹] رسول کریمؐ کا اسوۂ حسنہ بھی یہی ہے۔ (ہجرت مدینہ کے بعد کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ) حضورؐ کے احکام حسن سلوک اور مساوات کی بنا پر گھریلو معاملات میں بیویوں نے شوہروں کے مشوروں میں اختلاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ عمر فاروقؓ کے دبدبے کے باوجود ان کی زوجہ نے ان سے کسی معاملے میں اختلاف کیا۔ انھوں نے کہا "تجھے میرے معاملے میں دخل دینے کا کیا حق ہے"؟ بیوی نے کہا "میرے اختلاف سے تجھے تعجب ہوتا ہے، حالاں کہ آپ کی صاحب زادی (حفصہؓ) خود رسول خدا سے اختلاف کرتی ہے[۴۰]

اچھے سلوک میں صرف یہی نہیں آتا کہ مالی طور پر بیویوں کو آسودہ کیا جائے، بلکہ خانگی رشتے میں قوس و قزح کا رنگ بھرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے لیے مناسب تفریح مہیا کرے۔ ہمیں اپنے

---

۳۶ صحیح بخاری۔ فضائل اصحاب النبی۔ بحوالہ "اسلام و عدل"، ص ۲۳۰

۳۷ صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر سورہ التحریم، بحوالہ مسعود۔ ص ۶۲۰ ۳۸ ایضاً

۳۹ القرآن ۴ : ۱۹ "اور اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو"

۴۰ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۴۷۹

رسول کریمؐ کی زندگی سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ رسول کریمؐ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ لگائی۔[۴۱] اسی طرح ایک دفعہ حضورؐ نے عید کے موقعے پر حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کی جنگی ورزش کا منظر بھی دکھایا۔[۴۲]

آپؐ کے حسنِ سلوک کی انتہا تھی کہ ان کی دل جوئی کی خاطر گھر کے کام کاج میں بھی تعاون کرتے، ہاتھ بٹاتے۔[۴۳]

عورتوں سے حسنِ سلوک کے ضمن میں اسلام نے جو بلند مرتبہ ماں کو دیا وہ اس سے پہلے نہ کسی مذہب نے دیا تھا اور نہ کسی معاشرے نے۔ قرآن میں آیا ہے کہ "اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اور بالخصوص ماں کے ساتھ، کیوں کہ اس کی ماں نے اس کو مشقت سے پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا۔"[۴۴]

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ رشتے داروں میں سے میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تمھاری والدہ (تین مرتبہ یہ سوال کیا گیا اور تین مرتبہ آپ نے ماں کا نام لیا)۔[۴۵]

یورپ اور امریکہ میں ۱۹۱۴ء سے ہر سال مئی کی دوسری اتوار کو "مدر ڈے" منایا جاتا ہے، تاکہ ماں کی عظمت کا اعتراف کیا جا سکے۔ اہلِ یورپ کو جس بات کا خیال اب آیا، اسلام اس پر بہت پہلے ہی عمل کر چکا ہے۔ انھوں نے صرف ایک دن والدہ کا دن مقرر کیا۔ اسلام نے ہر دن کو "مدر ڈے" بنا دیا۔[۴۶]

۴۱ھ ہلکے جسم کی وجہ سے وہ جیت گئیں، کچھ عرصے بعد پھر دوڑ ہوئی اور وہ پیچھے رہ گئیں۔ اس وقت وہ کچھ فربہ ہو چکی تھیں۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ بحوالہ اوصاف علی خان۔ "حقوق العباد"۔ ملتان ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۰

۴۲ھ صحیح بخاری، باب العید۔ صحیح مسلم، باب العید

۴۳ھ محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمدؐ، ص ۴۹۸

۴۴ھ القرآن - احقاف: ۱۵

۴۵ھ صحیح بخاری - حقوق والدین، ص ۳۵

۴۶ھ حقوق العباد، بحوالہ سابقہ، ص ۹۰

ان تمام حقایق کو مدنظر رکھ کر یہ بات بغیر کسی جھجک اور شبہے کے کہی جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو جو مقام دیا (اس کی ہر حیثیت میں بیٹی، بیوی اور ماں) وہ کسی اور معاشرے نے تمام تر ترقی کے دعوؤں کے باوجود نہیں دیا۔ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حقوق دے کر ان میں مساوات قائم کی۔ مسلمان خواتین حدودِ الٰہی کے اندر رہ کر اور احکامِ شریعت کی پابندی کرتے ہوئے رزم گاہِ حیات میں حصہ لے سکتی ہیں۔ حصولِ رزقِ حلال کے لیے جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں، صحابیات جو مرکزِ فضائل و مجمع حسنات تھیں، انھیں ہم اپنی روزی خود مہیا کرتی ہوئی پاتے ہیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ تاجر تھیں۔ حضرت کریمہ بھی سوداگری کرتی تھیں۔ حضرت ام ورقہ عطریات کی تجارت کرتی تھیں اور بعض دیگر صحابیات دوسری قیمتی اشیا کا روزگار کر کے اپنی روزی خود پیدا کرتی تھیں۔[۴۷] مدینہ منورہ کی بعض خواتین قداعت کرتی تھیں۔ حضرت اسما بنت ابی بکر بھی کھیتی باڑی کرتی تھیں۔ حضرت شفا بنت عبداللہ، حضرت کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں اور اپنا رزق اسی سے حاصل کرتی تھیں۔ اسلام کے ہر دور میں آپ کو ایسی خواتین کے نام ضرور ملیں گے جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں کام کیے۔ برصغیر کی تاریخ میں رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی کا نام اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کہ مسلم خواتین میدانِ عمل میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں بھی آپ کو لاتعداد مسلمان خواتین عملاً حصہ لیتی نظر آئیں گی۔

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سب سے پہلے عورت کو صحیح آزادی بخشی، انھیں عزت و احترام کا مرکز قرار دیا۔ ان کے مذہبی، تمدنی، اقتصادی حقوق کو تسلیم کر کے مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا۔ انھیں ہر تعمیری کام کرنے کی اجازت دی، بہ شرطیکہ اخلاقی اقدار کو برقرار اور حیا کا دامن تھامے رکھیں۔

---

[۴۷] طبقات ابن سعد۔ اسلام اور عورت۔ عبدالقیوم ندوی۔ ص ۱۱